# مستشرقین کا تصورِ وحی - ایک مطالعہ

دوست محمد خان*

علمی حلقوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اہلِ مغرب کے افکار ونظریات ایک مخصوص تاریخی پس منظر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ سلسلہ بعثتِ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات خلفائے راشدین کے دور کے بعد شروع ہوا لیکن وہ دور شاید اتنا منظّم نہ تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں جب اسلامی بحری بیڑوں نے روم کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی اور پھر بعد کے قریبی ادوار میں مسلمانوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح ہوا تو اہل مغرب اور مسلمانوں کے درمیان ایک طویل کشمکش شروع ہوئی۔ اس کشمکش میں جب تک مسلمان خلافت کے بابرکت نظام کے تحت رہے تو اہل مغرب کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کھل کر کھیلنے کا موقع کم ہی نصیب ہوا لیکن ۲۴-۱۹۲۳ء میں جب مسلمانوں کی آخری خلافت (عثمانی خلافت) اہل مغرب ہی کی ہاتھوں منہدم ہوگئی تو عرب اور افریقی مسلم دنیا مغرب کے زیرنگیں ہوگئی۔ اسی غلبہ کے دوران اہل مغرب نے نہ صرف مسلمانوں کے وسائل کو لوٹا بلکہ ان کے عقائد، نظریات، تہذیب وثقافت اور علوم وفنون پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔

اسلامی دنیا پر جوں جوں اہل مغرب کا قبضہ مضبوط ووسیع ہوتا گیا مسلمانوں کے حوالے سے ان کی کج فکریوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے عقائد اور نظریات کی بنیادوں کو ملانے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو تشکیک میں مبتلا کرنے کے لئے قسم قسم کی علمی ریشہ دوانیاں منظر عام پر آئیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اہل مغرب کی یہ منظّم اور مذموم مہم تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے جاری رہی لیکن مستشرقین اور استشراق (Orientalism) وہ نام ہے جو سامنے آتے ہی صاحبانِ علم کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتا۔

بیسویں صدی استشراق کے عروج کا زمانہ تھا، اس دور میں مغربی سکالرز منظر عام پر آئے ان میں سے بعض نے علمی موشگافیوں کی حد کرتے ہوئے اور باوجود اس کے کہ وہ خاتم النبیین ﷺ سے پہلے بعض انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے وحی کا اقرار بھی کرتے رہے، آنحضورؐ پر نزول وحی کو مختلف نام دیتے رہے ہیں۔ آئندہ بحث میں اسی موضوع پر خانہ فرسائی کی گئی ہے۔

---

* پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور، پاکستان۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد نبی کریم ﷺ ابوطالب کے آغوش تربیت میں آئے۔ ابوطالب تجارت کرتے تھے۔ قریش سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی عمر بارہ سال ہوگئی تو حضرت ابوطالب نے حسب معمول و دستور شام کے تجارتی سفر کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکالیف اور آنحضرت ﷺ کی کم سنی کی وجہ سے آپ آنحضرت ﷺ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب سفر شام پر چلنے لگے تو آپؐ ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپؐ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ سیرت کے عام مؤرخین کے مطابق بحیرا (Bahira) کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔

دوسرا اہم واقعہ جو اہل یورپ اور دیگر عیسائی و یہودی مصنفین و مؤرخین کی علمی دلچسپیوں کا موضوع ہے نبی کریم ﷺ کا پہلی وحی کے نزول کے بعد غارِ حرا سے واپسی کا ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبرانی زبان جانتے تھے اور تورات و انجیل کے ماہر تھے۔

ان دو واقعات کو بنیاد بنا کر کم و بیش تمام مستشرقین نے اسلام کے احکام و قوانین کو عیسائیت اور یہودیت کا چربہ قرار دینے کی سعی ناکام کی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق چند مشہور اور ہم عصر مستشرقین کی آراء کا علمی جائزہ سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

مستشرقین کی اکثریت نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن کریم کا مصدر و ماخذ وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ یہ نبی کریم ﷺ کی تالیف ہے اور آپؐ نے اس کی تدوین و تالیف میں عربی معاشرے کے رسوم و رواج اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ نصاریٰ کے رھبان اور یہودی احبار سے بھی مدد لی۔

میکسم روڈنسن (Maxim Rodinson) جو اکثریتی مستشرقین کے برعکس غیر متعصب فرانسیسی مستشرق ہیں، مستشرقین کی اس روش کا بالعموم ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"......... while recognizing the extensive nature of Jewish influence, come to the conclusion that it was Christinity that was the decisive factor in the Rise of Islam."(۱)

مشہور مستشرق، ڈی ایس مارگولیتھ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ قرآن وحی الٰہی نہیں ہے، اپنی طرف سے ایک ایسا نظریہ ایجاد کرتے ہیں جو دیگر مستشرقین کے ہاں ''نایاب'' ہے۔ مارگولیتھ لکھتے ہیں۔ کہ مسلمان کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ تو یہ ہمیں قبول ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یا تو کسی نے ان کو قرآنی مضامین سکھائے ہونگے یا یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ ''کہانیاں'' سنی ہونگی۔ ان خیالات کو ذہن میں سجا کر مارگولیتھ نبی کریم ﷺ کیلئے استاد مقرر کرتے ہیں اور وحی الٰہی کو اسی استاد کا مرہون منت سمجھتے ہیں اور یہ استاد ان کو ورقہ بن نوفل کی صورت

میں ملتا ہے:

"Warkah, Son of Naufal, cousin of Khadijah, is likely to have had much to do with the beginnings of Islam. He is credited with having translated the Gospel or part of one, into Arabic; it was probably the Gospel of the Nativity, and was afterwards useful to the Prophet."(۲)

ورقہ بن نوفل سے استفادہ ثابت کرنے کے بعد مارگولیتھ، نبی کریم ﷺ کے اسفار پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے آپ کو ایک ذہین اور اخاذ دماغ کا مالک قرار دیتے ہیں۔

(مستشرقین مذکور یہ صفات بھی آپ ؐ کیلئے استعمال کرنے کے رَوادار نہ ہوتے اگر اس کے ذریعے وہ اپنا مقصد پورا ہوتا ہوا نہ دیکھتے) اور اپنی بے پناہ قوت حافظہ کے ذریعے ان اسفار کے دوران یہودی وعیسائی رھبان واحبار اور دیگر مکی عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مذہبی گفتگو کو یاد رکھتے ہیں اور بعد میں ان کو بطور وحی پیش کرتے ہیں (۳) موصوف لکھتے ہیں:

"Muhammad learnt from Jewish travellers and others he met, and this accounts for the Jewish tones heard inparts of the Qur'an ...... afterwards contained a number of phrases which his entimate associates at Meccah did not understand."(۴)

اس سے پہلے چونکہ مارگولیتھ، نبی کریم ﷺ کو "امی" تسلیم کرچکے ہیں لہٰذا آپ کی قوت حافظہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"He was a man of such astutencess that nothing that he heard or saw escaped him."(۵)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"He was highly intelligent person with a brilliant receptive memory who, even when passing two Jews, Jabra and Yasar reading their scriptures, is able to pick up a few stories and incorporate them into his Qur'an. Biblical similarities in the Qur'an were.......... likely to have been all picked up by listening when services or Bible readings were going on."(۶)

اس خاکہ کے مکمل کرنے کے بعد مصنف موصوف نماز میں قیام، سجدہ اور جلوس کو یہودی اور عیسائی عبادات سے

ماخوذ قرار دیتے ہیں اور بحیثیت مجموعی نماز کو ایک ڈرل (Drill) سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کیلئے اس کو عیسائی یا یہودی ماخذ سے کوئی چیز نہ مل سکی:

"Qiyam is Jewish, sajud is Christian and the Julus a combination of both. The teaching of ritual purification before prayer existed in South Arabian Communities long before Muhammad. Neverthless, Muslim Salah Possesses the character of a military drill."(۷)

سر ولیم میور، نظری سرقۂ افکار کے حوالے سے بہت ''نادر'' خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ایک طرف عیسائیوں اور یہودیوں سے استفادے کا اقرار کرتے ہیں اور دوسری طرف بحیرا اور دیگر نسطوری علماء سے آپ ﷺ کی ملاقات کو مسترد کرتے ہیں۔ میور نسطوری علماء سے آپ ﷺ کی ملاقات کی تردید اس لئے نہیں کرتے کہ یہ ملاقات ہوئی نہیں بلکہ وہ اتنے اعلیٰ پائے کے عیسائی عالم کے ذریعے آپ ﷺ میں نبوت کی نشانیوں کا اعلان کروانا پسند نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی یہ لکھتے ہیں کہ اگر بلند پایہ عیسائی علماء سے آپ ﷺ کی ملاقات ہو جاتی تو آپ ﷺ نبی ہونے کے بجائے عیسائی ہوتے۔ یہ تو دوسرے درجے کے شام کے عیسائیوں سے آپ ﷺ کی ملاقاتیں ہوئیں جن کے نامکمل علم نے آپ ﷺ کو ایک نیا دین بنانے کی راہ سجھائی:

"Muhammad might have met some monks on his journeys to Syria and might have discussed matters with them or listened to them, but it is ridiculous and puerile idea that he met Nestorious."(۸)

"If Muhammad had encountered pure Christianity, he would have become a Christian."(۹)

لیکن ایک فرانسیسی مستشرق گوٹین (S.D. Goitein) کے خیالات، مارگولیتھ سے ملتے جلتے ہیں: موصوف قرآن کریم کو یہودی اور عیسائی مواد پر مشتمل قرار دیکر نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام، یہودیت کا گوشت پوست ہے:

"The Qur'an contains a huge mass of material which can be traced to both Jewish and Christian sources. This is true only of biblical and apocryphal literature with which Muhammad might have been acquainted through Jewish and Christian chanells but it also holds good for elements from the Jewish liturgy and lore which had found their way into Christian circles very early."

پھر اس کے بعد مصنف موسیٰؑ اور یوسفؑ کے قصہ کا ذکر کرتے ہیں کہ موسیٰؑ کا قصہ قرآن میں سو (۱۰۰) سے زیادہ دفعہ ذکر ہوا ہے اور عیسیٰؑ کا ذکر صرف مکی دور میں چار دفعہ ہوا ہے گویا اسی طرح اسلام پر عیسائیت کے بجائے یہودیت کے اثرات زیادہ ہیں اور اسی سے نتیجہ نکالتے ہوئے مصنف مذکور اسلام کے متعلق فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Islam, however, is from the very flesh and bone of judaism."(۱۱)

منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) مستشرقین یورپ میں اس لحاظ سے ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں کہ ہمعصر ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمان علماء سے ان کی ملاقاتیں رہی ہیں اور اسلامی ممالک کو دیکھنے کے مواقع بھی میسر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بیسویں صدی کے آخری سالوں تک بقید حیات ہونے کی بناء پر آپ کے سامنے استشراق کی پوری تاریخ تھی۔ اس لحاظ سے آپ کو اپنے پیشرو مستشرقین کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ کرنے کا موقعہ ملا اور شاید ان وجوہات کی بناء پر آپ یورپین مصنفین کی محمد ﷺ کے متعلق علمی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Western writers have mostly been prone to believe the worst of Muhammad, and where an objectionable interpretation of an act seemed plausible, have tended to accept as fact."(۱۲)

یورپین مصنفین کی غلطی بیان کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ پر لکھنے والوں کیلئے ہدایت نامہ جاری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Thus not merely must we credit Muhammad with essential honesty and integrity of purpose, if we are to understand him at all; if we are to correct the errors we have inherited from the past; we must in every particular case hold firmly to the belief in his sincerity until the opposite one is conclussively proved."(۱۳)

اتنے بلند پایہ تحقیقی اصول مقرر کرنے کے بعد جب منٹگمری واٹ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی پر قلم اُٹھاتے ہیں تو سب تحقیقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے روایتی غیر تحقیقی الفاظ may be، looks like، perhaps، probably، seemed to be کا استعمال کرتے ہوئے آپؐ پر نازل ہونے والی پہلی وحی "سورۃ العلق" میں ﴿الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The expression in the first revelation is Surah al-`Alaq, concerning the

`teaching of the pen; might have reminded Muhammad of his indebtedness to warqah. Muhammad had frequent communications with Warqah at an earlier date, and learnt much of a general character. Later Islamic concepts may have been largely moulded by Warqah's ideas e.g., of the relation of Muhammad's revelation to previous revelations."(۱۴)

واٹ کے مندرجہ بالا خیالات دیکھنے کے بعد دل نہیں مانتا کہ یہ اس شخص کے الفاظ ہیں جو بھی تحقیق وتنقید کے زریں اصول بیان کررہے تھے اور اپنی تحقیقی تصنیف کیلئے قرآن کریم، احادیث، سیرۃ ابن ھشام تاریخ طبری، مغازی واقدی، طبقات ابن سعد، صحیح بخاری، مسند احمد بن حنبل، ابن اثیر اور ابن حجر کو بطور مصادر (Sources) بتا رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ متذکرہ مصادر میں سے کسی نے کہاں لکھا کہ نبی کریم ﷺ نزول وحی سے پہلے بھی ورقہ بن نوفل سے مسلسل ملاقاتیں کرکے مستفید ہوتے رہے۔ یقیناً کسی بھی ماخذ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ نبی کریم ﷺ نزول وحی سے پہلے بھی ورقہ بن نوفل سے ملاقاتیں کرتے رہے ہیں لیکن منٹگمری واٹ نے تصور کی نگاہ سے دیکھ لیا لہٰذا اپنی روایتی "may have been" کا استعمال کرتے ہوئے آپؐ پر نازل ہونے والی وحی کو آپ کا سابقہ وحی کا تسلسل قرار دینا، ورقہ بن نوفل کی تعلیمات قرار دیا۔ میرے خیال میں یہ صریح علمی خیانت اور تحقیقی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔

## فیلپ کے ہٹی (Philiph Hitti):

ایک زمانے میں مغربی دنیا میں اسلام پر سند مانے جاتے تھے لبنانی نژاد عیسائی ہونے کی بناء پر اور عرب دنیا میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کی بناء پر ان سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اسلام کا غیر جانبدارانہ اور غیر معتصبانہ مطالعہ کرکے اپنی تحقیقات کو مغربی دنیا کے سامنے لائیں گے۔ جیسا کہ بعد میں فلسطینی نژاد عیسائی ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے اپنی شہرہ آفاق تصنیفات (Orientalism) اور "Covering Islam" کے ذریعے کرکے دکھایا۔ لیکن فیلپ کے ہٹی، بیروت میں امریکی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جب ۱۹۱۳ء میں امریکہ منتقل ہوگئے تو ''ھر کہ درکانِ نمک رفت، نمک شد'' کے مصداق ایک مستغرب (Occidentalist) بننے کی بجائے پکے مستشرق بن گئے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں وہی کچھ پیش کیا جو آپ سے پہلے مستشرقین پیش کرتے رہے۔

وحی کے متعلق بھی آپ کے نظریات وہی ہیں جو آپ کے پیشرو مستشرقین کے ہیں۔ اپنی مشہور کتاب "Islam and the West" میں لکھتے ہیں:

"The sources of the Qur'an (sic) are unmistakable Christian, Jewish, and

Arab heathen, Hijaz itself had Jewish but no Christian colonies, but had Christian slaves and merchants, it was surrounded by centers whence Christian ideas could have radiated into it. The Prophet had two Abyssinan slaves, his muezzin (sic) Bilal and his future adopted son, Zaid. He also had a Christian wife, Marya the Copt as well as a Jewish one, Safiyah born to one of the Medinese tribes he destroyed."(۱۵)

اِن خیالات کے اظہار کے بعد ہٹی قرآن کریم کے بعض قصص کا حوالہ دیتے ہیں مثلاً حضرت یوسفؑ کے قصے اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، بچپن اور مصلوب ہونے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اسے محرف شدہ انجیل کے قصے قرار دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ انجیل اور قرآن میں ان کے قصص کے درمیان موجود اختلاف کو اس بات پر بطور دلیل استعمال کرتے ہیں کہ آپؐ نے یہ قصص وہاں سے اخذ کئے لیکن وہ بھی محرف شدہ کیونکہ قرآن عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کے واقعہ کو نہیں مانتا اور اوپر جانے کا واقعہ بیان کرتا ہے۔ جو انجیل میں نہیں ہے۔

فیلپ کے ہٹی، اسلام پر عیسائیت اور یہودیت کے اثرات ثابت کرنے کیلئے جن دلائل کا سہارا لیتے ہیں وہ سرے سے علمی اور تحقیقی دلائل میں شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب ۷ ھجری میں اور حضرت ماریہؓ قبطیہ ۹ ھجری میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوئیں۔ ۱۱ ھجری میں آپؐ کی وفات ہوئی۔ یہ دونوں ازواج مطہرات اسلام لانے کے بعد ہی حرم نبوی میں شامل ہوئیں۔ اسلام پر عیسائیت یا یہودیت کے اثرات ان ازواج مطہرات کے ذریعے تو تب مرتب ہونے کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے جب یہ اپنے آبائی ادیان پر قائم رہ کر نبی کریم ﷺ کے گھر مبارک میں رہتیں حالانکہ پھر بھی اس کے امکانات دکھائی نہیں دیتے۔ کیونکہ وحی الٰہی پر نبی خود اثر انداز نہیں ہوسکتا تو پھر دوسرے آدمی کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم تقریباً ۲۳ سال میں مکمل ہوا اور یہ دونوں امہات المؤمنین ۷ اور ۹ ھجری کو آئیں تو کیا دو سال میں ان کی وجہ سے اتنے اثرات مرتب ہوئے کہ فیلپ کے ہٹی کو کہنا پڑا کہ:

"The soruces of the Qur'an an (sic) are unmistable Christian and Jewish."

اس علمی طرز عمل کو ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کوئی دوسرا نام دینا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

ایک اور مایہ ناز مستشرق ہملٹن گب کو یہ افسوس ہے کہ مسلمان سکالرز قرآن کریم کا اسی طرح ناقدانہ جائزہ نہیں لیتے جس طرح احادیث کا لیتے ہیں۔ گب، قرآن کریم کو وحی الٰہی ثابت کرنے کیلئے اس قانونِ تنقید کا مطالبہ کرتے ہیں جو حدیث کے نقد و جرح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ موصوف اپنے ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"In Contrast to the Ḥadith, the Qur'an itself has remained almost untouched

by any breath of Criticism. Only a few Indian liberals and still fewer Arabs socialists have yet ventured to question that the Qur'an is the literally inspired word of God, and that its every statement is eternally true and valid."(١٦)

یعنی چند ہندوستان ترقی پسندوں اور عرب سوشلسٹوں کے سوا کسی نے یہ جرأت نہیں کی کہ اس سوال کا جائزہ لے کہ قرآن کریم صحیح معنوں میں اللہ کا کلام ہے اور اس کی ہر بات سچی اور ابدی ہے۔ اس بات کا جواب گو کہ مسلمان علماء نے براہین قاطع کے ذریعے بطریق احسن دیا ہے لیکن پھر بھی مستشرقین مطمئن نہیں ہو پاتے اور اس کو مسلمانوں کا جدید سائنسی اور معروضی اصول تحقیق سے بے خبری پر محمول کرتے ہیں لہٰذا ان دلائل کے دہرانے کے بجائے میں ان ہی کے جماعت کے ایک فرد میکسم روڈنسن کا حوالہ دینا پسند کروں گا جو میرے خیال میں گبؔ اور اس قسم کے دیگر مستشرقین کی تسلی کیلئے کافی مواد کا حامل ہے۔ فاصل مصنف اپنے ہموطن مستشرق لویس ماسینیون (Massignon L.) کے خط مؤرخہ ۱۸/۷/۱۹۶۱ء کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ماسینیون نے مجھے لکھا کہ مستشرقین جو اصول تنقید قرآن کریم پر لاگو کرنا چاہتے ہیں اگر یہ اصول انجیل پر لاگو کیا جائے تو انجیل میں کیا باقی رہ جائیگا:

"What would remain of the Gospels if (١٧) he applied to them the same methods he applies to the Qur'an?"(١٨)

مستشرقین نے قرآن کریم کے حوالے سے جو تحقیقات پیش کی ہیں ان میں کم وبیش یہ بات مشترک عنصر کے طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ قرآن کریم کی بنیاد کو وحی الٰہی پر مبنی نہیں مانتے بلکہ اس کو عرب کے ایام جاہلیت کے رسوم و رواج اور تہذیب وثقافت، یہودیوں اور نصاریٰ کے مقدس کتب کے قصص اور بعض عبادات وقوانین سے ماخوذ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات تو مستشرقین کو قرآن کریم پر زرتشت اور ہندی اثرات بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ بعض مستشرقین نے نبی کریم ﷺ کے افکار کو عرب کے حنفاء کا حاصل قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں مارگولیتھ نے جس علمی خیانت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ مثلاً وہ ''مسلم اور حنیف'' کی تحقیق پر اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں:

"Mussaylimah was the actual originator of the concepts `Muslim' and `Hanif' and the Prophet took these from him."

مارگولیتھ قریش کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ آپ کو مسیلمہ کے اثرات کے تحت ہونے کی وجہ سے تمسخر کا نشانہ بناتے تھے۔ مارگولیتھ، قریش مکہ کو صحیح سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"........ a fairly correct account of the facts, if we suppose Musaylimah's Surahs to have been the earliest Arabic literature connected with monotheism, on which Muhammad modelled his early surahs...."(۱۹)

مارگولیتھ نے اسی بے بنیاد نظریے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنے انتہائی تعصب کا اظہار یوں کیا ہے:

"Muhammad found it expedient to desert Musaylimah for the Old and New Testaments and the sayings of the Jewish fathers. I fear that in any question of literary ownership there must be a presumption against Muhammad, for in cases where we know his sources he indignantly denies the use of them; hence, where we do not know them quite certainly, there is a suspicion that he is the imitator rather than the imitated."(۲۰)

مارگولیتھ کی اس خام خیالی کی تردید ایک اور محقق مستشرق چارلس لائل (Charles Lyall) نے بہت خوبی سے کی ہے:

"Margoliouth's supposition would mean that Musaylimah's teaching should, for a considerable time before the appearance of Muhammad, have attained such a celebrity and extention in the Arabian Peninsula that, although the tribe to which he belonged had its settlements in al-Yamamah,...... the ideas embodied in it had made theri way across to the Western Hijaz and Tihamah, and these left in current use these words of religious import, without any trace surviving in the memory of men of their real origin."(۲۱)

اس کے بعد چارلس لائل سوال کرتے ہیں اور بجا طور پر کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہے کہ مسیلمہ ہجرت کے بعد تک کے زمانے تک صبر کرے اور اپنے چوری شدہ خیالات کی ملکیت کا دعویٰ کہیں بھی نہ کرے۔ اس بات کی آخر کیا توجیہہ کی جاسکتی ہے؟

"The question arises about the rational for Musaylimah waiting some nine or

ten years (9 or 10 A.H.) before posing a chanllenge to Muhammad if the

`Original Ideas' were his and `Stolen. (۲۱)

مستشرقین کو اس موضوع سے کہ "قرآن کریم وحی الٰہی پر مبنی نہیں" بلکہ آپؐ کے شعور و لاشعور کے افکار دیگر ادیان کے اثرات سے مملو ہے، دلچسپی کا اندازہ ان تصانیف سے لگایا جا سکتا ہے جو اس سلسلے میں مستشرقین کی طرف سے وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتی رہی ہیں:

۱- راهب بحيرا والقرآن۔ كراديفو ۱۸۹۸م

۲- السامريون فى القرآن۔ جوزيف هاليفى ۱۹۰۸م

۳- اسماء الله الحسنىٰ و مصادرها الشرقية فى القرآن۔ السير ايدوين ارنولد ۱۸۸۴م

۴- التوراة فى القرآن، فايل ۱۸۳۵م

۵- بحوث جديده فى ترتيب القرآن الكريم وتفسيره، هير شفيلد ۱۹۰۲م

۶- عيسىٰ فى القرآن، جروهمان ۱۹۱۴م

۷- النصرانية واليهودية فى القرآن بومشتارك ۱۹۵۳م

۸- الالفاظ الاجنبية فى القرآن، جيفرى ۱۹۳۸م

۹- عناصر نصرانية فى القرآن، ارنيز ۱۹۳۵م

۱۰- القصص الكتابى فى القرآن، شباير ۱۹۳۹م

۱۱- القرآن: الانجيل المحمدى: سترستين ۱۹۱۸م

۱۲- محمدؐ و القرآن، واختندونك ۱۹۶۹م (۲۳)

مندرجہ بالا تصنیفات کے عنوانات سے ہی پتہ چلتا ہے کہ مستشرقین کو اس موضوع کے کس پہلو سے کتنی دلچسپی ہے۔ اس کے علاوہ یورپ میں قرآن کریم اور اس کے علوم کے حوالے سے جن حضرات نے شہرت حاصل کی ان میں نولدیکہ (T. Noldeka)، جیفری (A.R.Jeffery)، گولڈزیہر (Ignaz Goldziher) اور آربری (A.J. Arbury) سرفہرست ہیں۔ اور ان سب نے قرآن کریم کے مصدر کی حیثیت سے وحی الٰہی کا انکار کیا ہے اور کم وبیش اُن ہی دلائل کا سہارا لیا ہے جو صفحات گذشتہ میں ذکر کی گئیں۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ الشرقاری ان حضرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولقد اكثرهم إنكار المصدر الالهى للوحى، وقالوا انّهٗ من تاليف محمد او من تلفيقه۔ ولقد

اظهروا جهلاً فاضحاً بحقیقة الوحی خارج الطرق الکسبیة للعلم" (۲۴)

ڈاکٹر التہامی النقرۃ مستشرقین کے اس روش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لَعَلَّ أول مایبعث علی التاؤل حول ھذہ الافکار الرائجة فی اوساط المستشرقین والغربیین عموماً ان القرآن والحدیث لو کان مصدرھما ھو محمد، فبما یفسرون ذلك الفرق والبون الشاسع بین القرآن والحدیث فی الصّیاغة و أسلوب العرض وطریقة الأداءِ و منھج التعبیر؟" (۲۵)

ڈاکٹر نقرۃ کے اس سوال کا جواب مستشرقین کے پاس یقیناً نہیں ہے کہ اگر قرآن کریم امصدر وحی الٰہی نہیں ہے تو قرآن کریم اور احادیث رسول کا اسلوب و انداز ہر لحاظ سے ایک جیسا کیوں نہیں ہے؟

مستشرقین نے "وحی" کے حوالے سے اپنی تصنیفات میں جو کچھ پیش کیا وہ وہی بے بنیاد سوالات، الزامات اور ہفوات ہیں جو ان کے معنوی پیشرو کفار مکہ نے پیش کئے تھے۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے کافی و شافی اور مسکت دلائل قرآن کریم میں آج بھی موجود ہیں۔ مثلاً کفار مکہ نے کہا تھا کہ:

﴿وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ھٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡکُ نِ افۡتَرٰىہُ وَاَعَانَہٗ عَلَیۡہِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ﴾

"جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ (فرقان) ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخص نے آپ ہی آپ گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّ زُوۡرًاo﴾ (۲۶)

"بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اُتر آئے ہیں۔"

اسی سورۃ میں پھر کفار کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَةً وَّ اَصِیۡلًاo﴾ (۲۷)

"کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص (محمدؐ) نقل کرواتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔"

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر کفار مکہ کی فکری سراسیمگی کا ایک واقعہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ افۡتَرٰىہُ بَلۡ ھُوَ شَاعِرٌ﴾ (۲۸) وہ کہتے ہیں۔

"بلکہ پراگندہ خواب ہیں، بلکہ یہ اس کی من گھڑت ہے بلکہ یہ شخص شاعر ہے۔"

یہی وہ اعتراضات ہیں جو اس زمانے کے مستشرقین قرآن مجید کے خلاف پیش کرتے ہیں اور اپنے زمانے میں کفار مکہ نے پیش کئے تھے۔ لیکن بعض اعتراضات کے حوالے سے مستشرقین کفار مکہ سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کے ہم عصر مخالفین (کفار مکہ) میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا ہے کہ آپؐ جب بچپن میں بحیرا

(Bahira) سے ملے تھے تو اس وقت یہ سارے مضامین وعلوم سیکھ لئے تھے اور نہ یہ کہا کہ جوانی میں جب آپؐ نے شام کے تجارتی سفر کئے تھے تو اس زمانے میں عیسائی راہبوں اور یہودی ربیوں سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ اس قسم کے اعتراضات نہ کرنے میں انہیں کوئی اخلاقی ممانعت نہیں تھی بلکہ وہ اس طرح کر نہیں سکتے تھے کیوں کہ یہ سفر اکیلے نہیں ہوئے تھے بلکہ کفار مکہ کے قافلوں کے ساتھ ہوئے تھے لہٰذا ان کو ان سارے سفروں کا حال معلوم تھا ان کو معلوم تھا کہ ان سفروں میں کچھ سیکھ آنے کا الزام ہم لگائیں گے تو ہمارے اپنے ہی شہر میں سینکڑوں زبانیں ہم کو جھٹلا دیں گی اس کے علاوہ مکے کا ہر آدمی پوچھے گا کہ اگر یہ معلومات بارہ تیرہ برس کی عمر میں بجیرا سے یا ۲۵ برس کی عمر میں کسی نسطوری سے حاصل ہونی شروع ہوگئی تھیں تو آخر یہ شخص کہیں باہر تو نہیں رہتا تھا ہمارے ہی درمیان رہتا بستا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ چالیس برس کی عمر تک اس کا یہ سارا علم چھپا رہا اور کبھی ایک لفظ بھی اس کی زبان سے ایسا نہ نکلا جو اس علم کی غمازی کرتا؟ ان وجوہات کی بناء پر کفار مکہ نے اتنے سفید جھوٹ کی جرأت نہ کی اور اس قسم کی بے بنیاد باتوں کو اپنے بعد آنے والے مستشرقین کیلئے چھوڑ دیا۔ کفار مکہ کی یہ توقع حرف بحرف پوری ہوئی کیوں کہ تحریک استشراق کی ابتداء سے لیکر آج تک جتنے مستشرقین نے قرآن کریم کے حوالے سے بات شروع کی ہے تو اس بات کا ذکر ضرور کیا ہے کہ یہ بجیرا، اور ورقہ بن نوفل اور دیگر حضرات کی کاوشوں کا مرہون منت ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا۔

کفار مکہ کا دوسرا اعتراض جو قرآن میں نقل کیا گیا ہے یہ ہے کہ یہ شخص (محمدؐ) ان پڑھ ہے خود مطالعہ کرکے نئی معلومات حاصل نہیں کرسکتا۔ پہلے اس نے کچھ سیکھا نہ تھا۔ چالیس برس کی عمر تک ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ جانتا تھا جو آج اس کی زبان سے نکل رہی ہیں۔ اب آخر یہ معلومات آ کہاں سے رہی ہیں؟ ان کا مصدر وسرچشمہ لامحالہ کچھ پچھلے زمانے کے لوگوں کی کتابیں ہیں جن سے راتوں کو چپکے چپکے استفادہ کرکے نقل کرائے جاتے ہیں اور کسی شخص سے پڑھوا کر سنتا ہے اور پھر انہیں یاد کرکے ہمیں دن کو سناتا ہے۔ روایات کے مطابق اس سلسلے میں وہ چند آدمیوں کے نام بھی لیتے تھے جو اہل کتاب تھے پڑھے لکھے تھے اور مکہ میں مقیم تھے۔ روایات میں ان کے نام یوں آئے ہیں:

عداس (جو یطب بن عبدالعزیٰ کا آزاد کردہ غلام)، یاسر (علاء بن الحضرمی کا آزاد کردہ غلام) اور جبر (عامر بن ربیعہ کا آزاد کردہ غلام)، ان میں دو یاسر اور جابر (Yasar and Jabar) کا ذکر ڈی۔ ایس مارگولیتھ نے بھی کیا ہے، جس کا حوالہ پچھلے صفحات میں دیا گیا ہے۔

بظاہر یہ اعتراض وزنی معلوم ہوتا ہے۔ وحی کے دعوے کو رد کردینے کیلئے نبی کے ماخذ علم کی نشان دہی کردینے سے بڑھ کر اور کون سا اعتراض وزنی ہوسکتا ہے۔ مگر قرآن کریم کی مذکورہ آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد پہلی نظر میں آدمی یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اتنے بڑے اور وزنی اعتراض کے جواب میں سرے سے کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی

طرف سے پیش نہیں کی گئی بلکہ صرف یہ کہہ کر بات ختم کردی گئی کہ تم صداقت پر ظلم کر رہے ہو صریح بے انصافی کی بات کہہ رہے ہو، سخت جھوٹ کا طوفان اٹھا رہے ہو، یہ تو اس خدا کا کلام ہے جو آسمان و زمین کے بھید جانتا ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ سخت مخالفت کے ماحول میں ایسا زوردار اعتراض پیش کیا جائے اور اس کو یوں حقارت سے رد کیا جائے؟ کیا واقعی یہ ایسا ہی پوچ اور بے وزن اعتراض تھا کہ اس کے جواب میں بس ''جھوٹ اور ظلم'' کہہ دینا کافی تھا؟ آخر کیا وجہ ہے کہ اس مختصر سے جواب کے بعد نہ عوام نے کسی تفصیلی اور واضح جواب کا مطالبہ کیا، نہ نئے نئے ایمان لانے والوں کے دلوں میں کوئی شک پیدا ہوا اور نہ مخالفین ہی میں سے کسی کو یہ کہنے کی ہمت ہوئی کہ دیکھو ہمارے اس وزنی اعتراض کا جواب بن نہیں پڑ رہا ہے اور محض جھوٹ اور ظلم کہہ کر ہماری بات ٹالی جا رہی ہے؟

دراصل بات یہ تھی کہ کفار مکہ کو اللہ تعالیٰ کے جواب ''جھوٹ اور ظلم'' پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا تھا کیوں کہ بات تھی ایسی، ورنہ اگر واقعی جبر اور یاسر یا عدس آپؐ کے وحی کے سلسلے میں مددگار ہوتے اور واقعی یہ بات ہوتی کہ یہ لوگ پرانی پرانی کتابوں کے ترجمے کر کے محمدؐ کو یاد کرایا کرتے تو یہ بات کچھ مشکل نہ تھی کہ ان کے گھروں پر جابران مکہ چھاپے مارتے اور وہ سارا ذخیرۂ علم برآمد کر کے لوگوں کے سامنے رکھتے جو ان کے زعم میں اس کام کیلئے فراہم کیا گیا تھا۔ وہ عین اس وقت بھی چھاپا مارنے کا پروگرام بنا سکتے تھے جب یہ کام کیا جا رہا ہو اور ایک کثیر التعداد لوگوں کو دکھا سکتے تھے کہ لو دیکھو، نبوت کا سرچشمہ پرانے زمانے کی کتابیں ہیں اور ایسا کر کے وہ ہمیشہ کے لئے نبوت محمدیؐ کے خطرے کو ختم کر سکتے تھے حالانکہ مکے کے وہ ظالم سردار و رؤسا جو ایک ایک مسلمان کو مارتے کوٹتے اور تنگ کرتے پھرتے تھے ان کیلئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہ تھی۔ مگر وہ بس زبانی اعتراض ہی کرتے رہے اور ایک دن بھی فیصلہ کن اقدام اٹھا کر انہوں نے نہ دکھایا۔

دوسری بات یہ تھی کہ اس سلسلے میں وہ جن لوگوں کے نام لیتے تھے وہ کہیں باہر کے نہ تھے۔ اسی شہر مکہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی قابلیتیں اور صلاحیتیں کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھیں لہٰذا معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی دیکھ سکتا تھا کہ محمد ﷺ جو چیز پیش کر رہے ہیں وہ کس پائے، کس شان اور کس درجے کے لوگ ہیں جن کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ محمد ﷺ ان سے یہ سب کچھ حاصل کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نے بھی اس اعتراض کو کوئی وزن نہ دیا۔ جو لوگ ان مذکورہ اشخاص سے واقف نہ تھے وہ بھی آخر اتنی ذرا سی بات تو سوچ سکتے تھے کہ اگر یہ لوگ واقعی ایسی قابلیت کے حامل ہیں تو آخر انہوں نے خود اپنا چراغ کیوں نہ جلایا؟ ایک دوسرے شخص کو کفار مکہ کے رؤسا کی مخالفت مول لے کر (اگر پتہ چل جاتا)۔ اس کے چراغ کو تیل مہیا کرنے کی انہیں ضرورت کیا پڑی تھی، اور وہ بھی چپکے چپکے کہ اس کام کی شہرت کا ذرا حصہ بھی ان کو نہ ملے؟

تیسری بات یہ تھی کہ وہ اشخاص جن کا وحی اور نبوت کے ماخذ کے سلسلے میں نام لیا جا رہا تھا بیرونی ممالک سے آئے ہوئے غلام تھے جن کو ان کے آقاؤں نے آزاد کر دیا تھا۔

عرب کی قبائلی زندگی میں کوئی شخص بھی کسی طاقت ور قبیلے کی حمایت اور سرپرستی کے بغیر گزر بسر نہیں کرسکتا تھا۔ آزادی کے بعد غلام اپنے سابقہ آقاؤں اور مالکوں کی سرپرستی میں رہتے تھے اور ان کی حمایت ہی معاشرے میں ان کیلئے زندگی کا سہارا ہوتی تھی۔ اب یہ ظاہر بات تھی کہ اگر محمد ﷺ ان لوگوں کی بدولت، معاذ اللہ، ایک جھوٹی نبوت کی دکان چلا رہے تھے تو یہ لوگ کسی خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ تو اس سازش میں آپؐ کے ساتھ شریک نہ ہوسکتے تھے۔ آخر ایسے شخص کے وہ مخلص رفیق کار اور سچے عقیدت مند کیسے ہوسکتے تھے جو رات کو ان ہی سے کچھ باتیں سیکھتا ہو اور دن کو دنیا بھر کے سامنے یہ کہہ کر پیش کرتا ہو کہ یہ خدا کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس لئے ان کی شرکت کسی لالچ اور غرض ہی کی بناء پر ہوسکتی تھی۔ مگر کون صاحب عقل و ہوش آدمی یہ باور کرسکتا تھا کہ یہ لوگ خود اپنے سرپرستوں کو ناراض کر کے محمد ﷺ کے ساتھ اس سازش میں شریک ہوں گے؟ آخر کیا لالچ ہوسکتا تھا جس کی بناء پر وہ ساری قوم کے مغضوب و مطعون اور ساری قوم کی دشمنی کے ھدف آدمی (محمدؐ) کے ساتھ مل جانے اور اپنے سرپرستوں سے کٹ جانے کے نقصان کو ایسے مصیبت زدہ آدمی سے حاصل ہونے والے کسی فائدے کی امید پر گوارا کر لیتے؟ پھر یہ بھی سوچنے کی بات تھی کہ ان کے سرپرستوں کو آخر یہ موقع تو حاصل ہی تھا کہ مارکوٹ کر ان سے سازش کا اقبال کرالیں۔ اس موقع سے انہوں نے کیوں فائدہ نہ اٹھایا اور کیوں نہ ساری قوم کے سامنے خود انہی سے یہ اعتراف کروالیا کہ ہم سے سیکھ کر یہ نبوت کی دکان چمکائی جارہی ہے؟

پھر سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ سب محمد ﷺ پر ایمان لائے اور اسی ضرب المثل عقیدت و محبت میں شامل ہوئے جو صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس سے رکھتے تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ بناوٹی اور سازشی نبوت پر خود وہی لوگ ایمان لائیں اور دل کی گہرائیوں سے ایمان لائیں جنہوں نے اس کے بنانے کی سازش میں خود حصہ لیا ہو؟ یا بالفرض اگر یہ ممکن بھی تھا تو پھر تو چاہئے تھا کہ اہل ایمان کی جماعت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے بجائے عدّاس، جابر اور یاسر ہوتے۔

اسی طرح یہ بات بھی بہت زیادہ تعجب انگیز تھی کہ چند آدمی راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر نبوت کے کاروبار کیلئے مواد تیار کرتے رہیں اور آپ ؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ تک پتہ نہ چلے کہ بیوی سے شوہر کی بہت کم باتیں چھپی رہ سکتی ہیں اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ اور دیگر لوگوں سے کس طرح چھپ سکتا تھا جو شب و روز محمد ﷺ کے ساتھ لگے رہتے تھے اس الزام میں برائے نام بھی کوئی شائبہ صداقت ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ یہ لوگ اس قدر خلوص کے ساتھ آپؐ پر ایمان لاتے اور آپؐ کی حمایت میں ہر طرح کے خطرات و نقصانات برداشت کرتے؟ یہ وجوہ تھے جن کی بناء پر ہر سننے والے کی نگاہ میں یہ اعتراض آپ ہی بے وزن تھا اس لئے قرآن کریم میں اس کو کسی وزنی اعتراض کی حیثیت سے، جواب دینے کی خاطر نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ بتانے کی خاطر اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ دیکھو، حق کی دشمنی میں یہ لوگ کس قدر اندھے ہوگئے ہیں اور کس قدر صریح جھوٹ اور بے انصافی پر اتر

آئے ہیں۔(۱۰۹)

اس کے علاوہ مستشرقین کے اسی مؤقف کی تردید کیلئے کہ نبی کریم ﷺ نے عیسائی اور یہودی افکار وتعلیمات سے استفادہ کرکے اپنی وحی کی بنیادیں مضبوط کرلیں، یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر واقعی ایسا ہے تو قرآن کریم میں عیسائیت کے بنیادی اور مرکزی عقیدہ (Doctrine) تثلیث (Trinity) کی اتنے پرزور الفاظ میں تردید کیوں کی گئی۔اس بات کے جواب میں مستشرقین دفاعی پہلو اختیار کرکے آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں۔قرآن کریم نے صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾(۳۰)

اس کے باوجود F.S. Foster لکھتے ہیں:

"The Type of Christian ideas Muhammad received were from the Gnostics, There by pardoning him for his obvious ignorance of Central (۳۲) doctrines."

انہی غیر منطقی بنیادوں پر قائم تحریک استشراق آج عالمگیریت کے نئے نام سے جاری وساری ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانانِ عالم اس پر کڑی نظر رکھیں اور اس کی راہ روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

# حواشی وحوالہ جات


(۱) Maxim Rodinson, A critical Survey of Modern Studies on Muhammad, Penguin Books, Canada, 1961, p.42

(۲) D.S. Margoliouth, Muhammad and the Rise of Islam, Oxford University Press, Edinburg, 1923, p.42

(۳) ورقہ بن نوفل سے آپ ؐ کی صرف ایک ملاقات ثابت ہے۔ کیا ایک ہی ملاقات میں اتنا کچھ حاصل ہوسکتا ہے جتنا اسلام ہے) بحیرا راھب سے آپ ؐ کی ملاقات آٹھ یا نو سال کی عمر میں ہوئی تھی کی آٹھ سال کا بچہ ایک ملاقات میں قرآن کریم جیسی حکیم کتاب کا مواد حاصل کرسکتا ہے؟ سوچنے اور غور وفکر کرنے کا مقام ہے)۔

(۴) Ibid. p. 59

(۵) Ibid. p. 59

(۶) Muhammad and the Rise of Islam, p. 107

(۷) Ibid. p. 102 - 3

(۸) S.W. Muir, The Life of Muhammad, Oxford University Press, London, 1905, p.21

(۹) Ibid. p. 22

(۱۰) S.D. Goitein, Jews and Arabs: The contacts through the Ages, New Yark, 1955, p.52

(۱۱) S.D. Goitein, Jews and Arabs, p. 54

(۱۲) W.M. Watt, Muhammad at Mecca, Clarenden Press, Oxford, 1956, p. 52

(۱۳) Ibid.

(۱۴) Ibid. p. 51 - 52

(۱۵) Philip Hitti, Islam and the West, Princeton (An Historical Cultural Survey), Princeton University Press, 1962, p. 14 - 16.

(۱۶) H.A.R. Gibb, Modern Trends in Islam, Oxford University Press, New Yark, 1972, p. 50

(۱۷) He کا ضمیر ہنری لامنس (Henry Larmmens) کی طرف راجع ہے جس نے قرآن کریم کے مصادر پر تنقید کی ہے۔

(۱۸) A critical Survey of Modern Studies an Muhammad, p. 61

(۱۹) D.S. Margoliouth, `On the Origin and Impact of the Names, Muslim and Hanif, JRAS, Vol.35, July 1903, pp. 492 - 93

(۲۰) D.S. Margoliouth, JRAS, Vol.35 pp. 492

(۲۱) Charles Lyall, "The words `Hanif' and `Muslim' ", JRAS, Vol.35 p.771-72

(۲۲) Charles Lyall, "The words `Hanif' and `Muslim' ", JRAS, p.771-72

(۲۳) الشرقاوی،محمد عبد اللہ،الاستشراق (فی الفکر الاسلامی المعاصر)، مرکزفیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ۔ ریاض۔ ص: ۹۰

(۲۴) الاستشراق (فی الفکر الاسلامی المعاصر) ،ص: ۹۰-۹۱

(۲۵) لتهامی ،دکتور،القرآن والمستشرقون۔ النقرۃ۔ ص: ۳۲

(۲۶) القرآن۔۲۵:۴

(۲۷) نفس المصدر

(۲۸) القرآن الکریم۔ ۲۱:۵

(۲۹) مودودی،سید،ابوالاعلیٰ،تفہیم القرآن،ج۳،تفسیر سورۃ الفرقان آیۃ ۴

(۳۰) القرآن ۵:۷۳

(۳۱) F.H. Foster, " Islam a Christian Heresy by, The Muslim World, Vol.22, No.2, April 1932, pp. 128 - 32